

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِلَا حَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً

بَعْدُ

یعنی

مرنے کے بعد کیا ہوتا ہے!

مُصَنَّف

جناب ڈاکٹر قاضی محمد اسماعیل صاحب ہلوی نیشنل مولف کتاب بک آن مسیح وغیرہ

زیر نگرانی حقیر ابوظف محمد حامد مسر از عفا اللہ عنہ

۱۳۵۳ھ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ
مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِلَا حَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً
وَمَنْ قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً بِحَقٍّ لَهَا فِيهَا قَتَلَ نَفْسًا مَحْفُوظَةً



بکٹا ہوں جنوں میں کیا کیا کچھ کچھ سمجھے خدا کرے کوئی

موت کے بعد کیا ہوتا ہے ہم کر کہاں جائیں گے! اور ہمارا شکر کیا ہوگا؟

یہ ایک نہایت ہی دقیق راز ہے جس پر ابتدائے آفرینش سے ہر عمر ہر زمانے میں عقلمندان وقت نے غور و خوض کیا ہے اور اپنے اپنے خیال کے مطابق ہر ایک نے اس گہنی کو سلجھایا بھی ہے مگر یہ تصفیہ کرنا کہ کون اس راز کی تہ کو واقعی پہونچا ہے "کالے دارو" کا مضمون ہے۔

اس ترقی تہذیب و تعلیم کے زمانے میں دہریے تو فوراً یہ جواب دیتے ہیں کہ موت ہمارا آخری مرحلہ ہے زندگی کے ساتھ تمام باتوں کا خاتمہ ہو جاتا ہے قبر ہماری آخری منزل ہے جس کے بعد نہ کچھ ہوتا ہے نہ ہوگا گوشت و استخوان سب گل سڑ کر خاک کا ڈھیر ہو جائیں گے۔ اللہ اللہ خیر صلاح۔ یہ لامذہب فرقہ نہ خدا کا قائل ہے نہ روح کا۔ اس فرقہ کے ممبر انسان کی مثال گھڑی یا انسان کی بنائی ہوئی دیگر معمولی مشینوں (گل) سے دیتے ہیں انکا خیال ہے کہ جس طرح گھڑی کے پُرزے یکجا موقع و محل سے لگا کر انکو متحرک کر دیئے سے ہر پُرزہ اپنا اپنا کام کرنے لگتا ہے۔ بسکند کی سوئی سکند منٹ کی سوئی منٹ اور گھنٹے کی گھنٹہ بتاتی ہے بجائے کا پُرزہ وقت مقررہ پر گھنٹے اور الارم (گجر) بجاتا ہے مگر جب کوئی پُرزہ بگڑ کر یہ گھڑی بند ہو جاتی ہے تو اس میں سے کوئی چیز جان یا روح نکل نہیں جاتی۔ اسی طرح انسانی مشینری دکل کا حال ہے جب تک اس کے پُرزے ٹھیک ہوتے اور باقاعدگی کے ساتھ چلتے ہیں اس وقت تک کل زندگی کے کام ہوتے رہتے ہیں مگر جب ان پُرزوں میں خرابی اگر پیشین بگڑ کر بند ہو جاتی ہے تو جس طرح گھڑی بند ہونے کے وقت اس میں سے کوئی

شی جان یا روح نہیں نکلی تھی اس طرح اس مشین میں سے کوئی چیز ایسی باقی نہیں رہتی جسکو آئندہ واقعات کا سامنا کرنا پڑے +

انکی یہ دلیل ہے تو ایک حد تک موزوں بقول شخصے اچھا ٹنگ سے ٹنگ ملایا ہے۔ مگر سچی ہوتی تو ضرور یہ انسان بھی ہمیشہ روز ازل سے آج تک ایک ہی قسم کا کارمقررہ انجام دیتا مشینیں یکساں کام کرتیں لیکن یہاں تک کہ جس طرح کوئی گھڑی ایک مرتبہ کو کھنے سے ۴ گھنٹہ کوئی ۸ گھنٹہ کوئی ایک ہفتہ اور کوئی ایک مہینہ چلتی ہے اس طرح سے انسانی زندگی بھی مختلف ہوتی مگر کوئی عالم و فاضل کوئی فلاسفر کوئی ڈاکٹر کوئی انجینئر کوئی جاہل کوئی چور اور ڈاکو نہ ہوتا سب اس دنیا میں آتے، کھاتے پیتے، چلتے پھرتے، بچے پیدا کرتے اور مرجاتے، ریل جہاز، زمین اور ایر وپلین رہو انی جہاز اور تارپیڈ و کشتیاں وغیرہ بنا سکتے نہ اپنے تجربہ سے آئندہ نسل کو فائدہ پہونچا سکتے۔ انسانی مشین کے پُرزے اس زمانہ میں بھی وہی کام کرتے ہوتے جو ابتدائی انسان کے پُرزوں نے کیا تھا۔ روز افزوں ترقی اور عروج کا نام و نشان ہی نہ ہوتا جس طرح ایک قسم کا انجن دو طرح کے کام نہیں کر سکتا مثلاً ریل کا انجن جہاز کو نہیں چلا سکتا اس طرح ایک ہی قسم کا ایک ہی گل پُندل کا انسان مختلف علوم و فنون پر حاوی نہ ہوتا یہ صرف ہماری نہیں بلکہ بڑے بڑے پروفیسرز کی رائے ہے، علاوہ ان میں ہم میں ایک اندرونی قوت ہے جس کا نام دل یا ضمیر ہے۔ یہ دل خود بخود اس مسئلہ کو قبول نہیں کرتا کہ ہم مگر صرف خاک کا ڈبیر ہو جائینگے گو ہم فریق مخالف کی دلائل سے لاجواب ہو جائیں انکے ثبوت ہم کو ظاہرہ قائل کر دیں مگر دل اندر سے یہی کہے جائیگا کہ ہماری زندگی کا نہ اس طرح خاتمہ ہوا ہی نہ ہوگا جہاں تک تواضع اور روایات سے پتہ چلتا ہے ہم یہی دیکھتے ہیں کہ ابتدائی سے ابتدائی وحشی سے وحشی انسان ہی روح کے قابل اور اس بات کو مانتے ہے ہیں کہ موت گو اس زندگی کا خاتمہ مگر آئندہ زندگی کا دروازہ ہے اور اس بات پر ہر شخص نے قیاس دوڑایا ہے کہ قبر کے دو کھٹ پر جو خطہ نامعلوم ہی وہاں کیا پیش آتا ہے + انہیں آبا و اجداد کے خیالات اور تعلیم کا اثر ہے کہ آج دیلوں سے لاجواب ہو کر یہی ہمارا ضمیر قبول نہیں کرتا کہ ہم صرف خود روگھاس کی طرح اُگتے اور مگر گل سڑ جاتے ہوں ہمارا دل اندر سے یہی کہتا ہے کہ ہماری روح کو بعد موت کے ہی بقاء ہے۔ یہ نہ فنا ہوئی ہے نہ ہوگی اور خیال عجیب عجیب قسم کی اُمیدیں دلاتا ہے +

صرف یہی لاعلی کہ موت کے بعد واقعی کیا پیش آتا ہے اس دنیا میں مختلف مذاہب کا باعث

ہوئی اور ہو رہی ہے مگر کل مذاہب کا وحشیوں کی بُت پرستی سے لیکر اعلیٰ درجہ کے مذہب عیسائیت اور اسلام تک۔ عام اصول یہ ہے کہ انسان خود اپنا مالک نہیں ہے بلکہ کسی خالق کسی خدا کسی برتر قدرت یا قانون کا محکوم ہے۔ ذرا سی مصیبت کا سامنا ہوا اور وہ مالک وہ حاکم یا دیا فرما شکل پیش آئی اور دل نے اُس کی حمایت اور آغوش عافیت ڈھونڈ لی اور جہاں ہم نے اپنے خدا پر بھروسہ کیا اور دلوں کو خود بخود تقویت اور طاقت ہوئی جہاں خطرہ کے وقت سچے دل سے آواز نکلی کہ خدایا مجھے بچاؤ وہیں فوراً دل خوش کن رستی دے۔ لیکن بخش جواب ملا کہ میں تیری حفاظت کو تیری شررگ سے قریب تر موجود ہوں (تَحْجُوْا قُرْبًا لِّیْهِ مِنْ جَبَلٍ اَوْ رِیْدَہٗ) واقعی قابل رحم ہے اُس شخص کی حالت جس کا خدا نہیں (یعنی جسے خدا کا اعتقاد نہیں) جسے وہ خطرے اور مصیبت کے وقت پکڑے اور جہر بھر دے کرے اور ایسے ایک دو نہیں اس روشنی اور تہذیب کے زمانے میں بہتیرے ہیں جن کو دنیاوی عقل نے اندھا کر رکھا ہے جو اپنے علم اور سائنس کے ناز میں اپنے خدا کو پھول گئے ہیں مگر خدا اُن کو نہیں بھولا مذہب اور سائنس میں بے طور مقابلہ ہو رہا ہے مذہب بتاتا ہے کہ انسان خدا کا ہم شبیہ ہے اہل سائنس کہتے ہیں نہیں انسان قوم میموں (بندر) کا اعلیٰ ترین اور کامل نمونہ ہے مگر ہم اپنے اہل مضمون سے بہت پرے ہٹ گئے خیر

اہل مذاہب نے جب یہ مان لیا کہ رُوح ہی اور وہ اس جسم خاکی سے علیحدہ ہونے کے بعد بھی فنا نہیں ہوتی تو انہوں نے یہ فیصلہ ہی اپنے اپنے قیاس کے مطابق کیا کہ اُس رُوح کو بعد موت کیا پیش آتا ہے جس طرح تمام مذاہب کا پہلا اصول کسی نہ کسی قوت مافوق بشری کو ماننا ہے اسی طرح دوسرا عام اصول کل مذاہب کا یہ ہے کہ رُوح کو بعد مرگ اُن افعال کی جزا و سزا ملتی ہے جو اُسے قالب خاکی میں قیام کے وقت کیے تھے بد اعمالوں کی پاداش میں وہ طرح طرح کے عذاب میں گرفتار ہوتی ہے اور نیک کاموں کے صلہ میں خلاف از قیاس انعام ملے ہیں مگر اولاً تو اعمال نیک و بد کی تفریق میں مذاہب کا بچا اختلاف ہے جو فعل ایک مذہب میں جائز بلکہ مستحسن ہے دوسرے مذہب میں باعث گناہ کبیرہ ہے دوسرے عاقبت میں سزا و جزا کی صورت نوعیہ کیا ہوگی اس میں بھی اہل مذاہب نے زمین آسمان کا اختلاف کیا ہے۔

۱۷ مذاہب قدیم کے پیرو آواگون یعنی تسنخ کے قائل ہیں اُن کے خیال کے مطابق رُوح کو بد اعمال کی سزا بھگتنے کے لیے پہر اسی دنیا میں نئی جُول یعنی دوسرے قالب میں پیدا ہونا پڑتا ہے انسان جس قدر بد اعمالیاں زیادہ کرتا ہے اُس قدر اُس کا دوسرا جنم کتر درجہ کا اور تکلیف دہ ہوتا ہے مثلاً کسی امیر کبیر نے کچھ پاپ

یعنی بُرے کام کیے تو اُسے دوسری مرتبہ ہتر چار یا دہو بی کا جہنم لینا پڑتا ہے گویا وہ عیش و آسائش جو اُسے
اس جہنم میں اُٹھائے تھے چھن جاتے ہیں اور اُسکی بجائے اُسے دکھ اور تکالیف کی زندگی ملتی ہے اگر بد اعمال یا
بہت زیادہ ہیں تو وہ بجائے انسان کے جانور کی جُول میں پیدا کیا جاتا ہے اور زیادہ تکالیف اُٹھانے کا حق
ہوتا ہے پاپ بہت ہی زیادہ ہوں تو بدترین اور سخت کشت جانوروں میں پیدا کیا جاتا ہے طرح طرح کی مصائب
اور تکالیف اُٹھنا کر جب جیو (روح) اپنے کرموں کی سزا بھگت لیتا ہے تو پھر بتدریج ترقی کرتا ہے اور زمانہ ترقی
میں اگر پھر پاپ کیے تو پھر اوندھے مو نہہ گرتا ہے اگر کوئی شاذ و نادر تمام پاپوں سے پاک و صاف ہو گیا تو وہ
بیکینٹھ نروانا یا نواتار ایک ہی مقام کے مختلف نام ہیں) میں جو کہ مقام امن و آسائش ہے ابد الابد ہمیشہ
ہمیشہ کے لئے داخل ہو جاتا ہے۔

اس مسئلہ کو ماننے سے اس کے نتیجے میں ہم کو اور بہت سی باتیں مجبوراً ماننی پڑتی ہیں۔
(۱) بیکینٹھ یا نروانا حاصل کرنا بہت ہی اہم کام ہے اور شاذ و نادر ہی کوئی جیو لکھو کھا برس کی کوشش کے
بعد ہزار بجو میں بدل کر اُس میں داخل ہوتا ہو تو ہو ورنہ عام نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ کوئی شخص خواہ کتنا ہی متقی و پرہیزگار
ہو گناہوں سے پاک ہرگز نہیں ہو سکتا پھر لامحالہ اُسے دوسری جُول میں آنا فرض ہے اور یہ نہایت ممکنات
سے ہے کہ دوسرے جہنم میں اُس کے گناہوں کی تعداد بڑھ جائے اور نئے جہنم میں پاپ ریوڑیوں کے پھیر کی
طرح بڑھنے ہی جائیں اور روح کو کہی کو لہو کے بیل کی طرح اس چکر سے نجات ہی نہ ملے۔

(۲) ہماری موجودہ زندگی پہلی زندگی نہیں ہے بلکہ صدایا ممکن ہے کہ ہزار بجو میں ہم بدل چکے ہیں مگر
ہمیں ایک جُول کا یہ عیش و آرام یا مصیبت و آلام یاد نہیں اور جب تک پہلا عیش یا دہنو موجودہ تکالیف
ایذا رساں تو دور کنار محسوس بھی نہیں ہوتیں اسی کو سنا جب تک عقوبت اور سزا کا اثر دماغ پر باقی نہ رہے
وہ سزا محض بریکار ہے جب ہم کو یاد ہی نہیں کہ ہم نے پہلے جہنم میں ایسی ایسی سزائیں اُس سے
پہلے جہنم کے پاپ اور گناہوں کے عیوض میں بھگتی تھیں تو اب پھر ہم کو اُن گناہوں سے روکنے
والا کون ہے اور جب وہ سزا یاد ہی نہ رہی تو اُس کا فائدہ کیا ہوا کسی پائل کو آپ بہتیری
تکلیف دیکھے مگر وہ بار بار اُی فعل کا مرتکب ہو گا جس کی پاداش میں وہ سزا دی جاتی ہے
وجہ کیا کہ اُسے نہ یہ ادراک ہے نہ یاد رہتا ہے کہ ایسا کرنے سے ہم کو سزا
ملتی ہے *۔

(۳) مثل میانی عقیدے کے یہ بھی ماننا پڑتا ہے کہ جتنے انسان اُس
اس دنیا میں پیدا ہوتے ہیں وہ سب پانی یعنی گنہگار ہوتے ہیں اور اس وقت دنیا میں جس قدر مخلوق
موجود ہے یعنی تمام انسان و حیوان شاہ سے گدا اور مہا متاسا دہو اور پنڈت سے لیکر ڈشٹ ٹیلیم
تک سب پہلے جنم کے پانی میں (کیونکہ اگر پانی نہ ہوتے تو نہ وانا یا بیکنٹھ میں داخل ہو چکے ہوتے) اور
جو ہم سے کم درجہ کے اور زیادہ تکلیف میں ہیں وہ ہم سے زیادہ پانی میں اور تمام حیوان، شیر، بلی، آدمی
گھوڑا، گدیا، بھینس، گائے سب مہا پانی میں۔ پہلے جنم میں جن انسانوں نے بہت ہی بُرے کرم اور حد
کے پاپ کئے تھے وہ اب جانوروں کی جون میں ہیں اور یہ مہا پانی اس جون میں اپنے کرموں کا نتیجہ
بھگت رہے ہیں۔

(۴) اب جو کچھ ہم کرتے ہیں اُس میں پُن ہے نہ پاپ صرف پچھلے کرموں کا نتیجہ ہے۔ جو تکلیف ہم کو کسی
سے پہونچتی ہے وہ ہمارے پہلے جنم کے پاپ کی سزا ہے اُس میں کسی کا کچھ قصور نہیں اور جو تکلیف ہم کسی
دوسرے کو دیتے ہیں وہ اُس کے کرموں کا پھل ہے اُس میں ہمارا کچھ قصور ہے نہ اختیار اور نہ پاپ
ایک قانون یا پرمیشور جو ہم پر حاوی ہے ہم سے وہ کام قدرتِ الہیہ ہمارا بس نہیں جو ہم اُس قانون
قدرت کے خلاف کر سکیں ہم چاہتے ہیں کہ ہم کسی کو قتل نہ کریں مگر وہ ہم سے قتل کراتا ہے کیونکہ جس کو ہی
قتل کرتے ہیں اُس سے ہمیں پہلے جنم کا بدلہ لینا ہے۔ کوئی جانوروں کو بیرحمی سے مارتا ہے گاڑی اوہل میں
سوٹے مارا کر چلاتا ہے اور کوئی انہیں ذبح کر کے کھاتا ہے تو وہ کچھ پاپ نہیں کرتا کیونکہ قانونِ فطرت نے
اُسے اسی کام پر مقرر کیا ہے کہ وہ ان مہا پانیوں کو پچھلے کرموں کا مزہ چکھائے اور پہلے پاپوں کی مقررہ سزا
دے۔ جس طرح اہلکار سرکار کسی قانونی مجرم کو سخت سے سخت سزائیں دینے حتیٰ کہ پھانسی دیکر اُس کی جان
لینے تک میں خود مجرم نہیں ہوتے بلکہ اپنا فرض منصبی ادا کرتے اور مستحقِ انعامات ہوتے ہیں۔
اسی طرح وہ اہلکار قدرت جو مہا پانیوں یعنی جانوروں کو تکلیف دینے اور قتل کرنے پر قدرت کی طرف سے
مأمور ہیں وہ بھی اپنے کار منصبی کی انجام دہی سے اب خود پانی نہیں ہوتے بلکہ اُن مہا پانیوں کو جواب
جانوروں کی جون میں ہیں اُن کے کرموں کی سزائے مناسب دیکر حتیٰ کہ انکو اُن کے پُرانے پاپوں کی سزائی
قتل کر کے اپنے حاکم یعنی پرمیشور کے آگے سرخرو ہوتے ہیں اور بے اوقات خود پہلے جنم کا بدلہ لیتے ہیں پہر
جیو ہتیا سے آدمی پانی کیوں ہونے لگا عیوض عوض نکلے نہ دار۔

ان نتائج پر غور کر کے نہ تو مسئلہ تسخیح ہماری سمجھ میں آتا ہے نہ اُسپر ہمارا اعتقاد جتنا ہے قائلان مسئلہ غور کریں کہ یہ مسئلہ کہاں تک قابلِ وثوق ہے +

دیگر مذاہب کا اعتقاد ہے کہ اعمالِ دنیاوی کی سزا اور جزا کے لئے ملکِ عدم ہی میں مقاماتِ موجود ہیں جنکے نام ہر زبان میں دوزخ اور جنت کے معنی کے ہیں کسی کو مر کر پھر اس دنیا میں آنے کی ضرورت نہیں ہے اچھے لوگ جنت میں اور بُرے دوزخ میں جاتے ہیں اس مسئلہ کو ماننے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے (۱) کون اچھا ہے (۲) کون بُرا ہے۔ ہمارے خیال میں تو موجودہ زمانے میں ایک ہی اچھا نہیں جنت عیسیٰؑ نے ایک مرتبہ خود اپنی نسبت فرمایا تھا کہ تم مجھے کیوں اچھا کہتے ہو اچھا سوائے ذاتِ باری کے اور کوئی نہیں ہے اتنے بڑے پیغمبر کا جب اپنی نسبت یہ خیال تھا تو ہماری تمہاری تو کیا ہستی ہے جب کوئی بھی اس دنیا میں اچھا نہیں تو جنت میں پھر جائیگا کون اور اگر جائیگے بھی تو لاکھوں میں اکاؤ کتنا

ایک زمانے میں جب میرے مذہبی خیالات محدود تھے تو میرا قیاس تھا کہ جنت نسبتاً دوزخ سے بہت ہی چھوٹی سی جگہ ہوگی کیونکہ واعظوں سے یہ سنتا تھا کہ سوائے مسلمانوں کے اور سب دوزخی ہیں اور مسلمانوں میں بھی اے فرقے ناری اور صرف ایک فرقہ ناجی ہے اور اُس ناجی فرقے میں سے ہی صرف وہی جنت میں جائیگے جو گناہوں سے پاک ہیں اور جس نے ایک گناہ بھی کیا مثلاً ایک وقت کی نماز فقدا قضا کی وہ چالیس برس دوزخ میں رہیگا اور وہاں کا ایک دن یہاں کے ایک ہزار برس کے برابر ہوگا یہ باتیں سن کر میری رُوح کانپتی تھی جہاں تک میرا قیاس کام کرتا تھا سب مجھے گناہ نگار اور آلودہ معصیت نظر آتے سوچتا تھا کہ الٰہی جنت میں کون جائیگا۔ خیر یہ تو جگہ معترضہ تھا۔

جس طرح اس دنیا میں کُڑی عیب سے خالی نہیں ہے اسی طرح ہم کہہ سکتے ہیں کہ پردہ دنیا میں ایک نفس بھی ایسا نہیں ہے جس میں کچھ نہ کچھ خوبی ہو کیسے سے کیا ہی گنہگار ہو ممکن نہیں کہ اُس نے اپنی عمر میں کچھ نیک کام کئے ہوں۔ ہے کوئی ایسا انسان جو اپنے ہم جنس کی نسبت یہ کہنے کی جرأت کر سکے کہ یہ شخص ہمیشہ کے لئے قابلِ ناز ہے۔ ہمارا تو تجربہ ہے کہ جو دنیا میں ظاہرہ نیک ہوتے ہیں اُن کے عیوب گو کم ہوتے ہیں مگر وہ محدود و چند عیوب دوسروں کے صد ہا عیوب پر سبقت لیجاتے ہیں اُنکا ایک گناہ اور دوسروں کے صد ہا گناہوں سے بدتر ہوتا ہے اور جو بدکارا و باش فاجر و فاسق ہیں اور جنکو دنیا نے قابلِ ناز جہیم تسلیم کر رکھا ہے اُن کی قلبی حالت نیک خیالات اور عقاید اکثر اچھٹوں سے اچھے ہوتے ہیں +

اس وجہ سے عیسائی مذہب کے فرقہ رومن کلیتہاً لوگ نے جنت اور دوزخ کے مابین ایک اور مقام پر گیسٹری (عالم برنخ) مان رکھا ہے جہاں اُنکے عقاید کے مطابق روجل کو کثافت سے پاک کیا جاتا ہے یعنی صغیرہ گناہوں کے عیوض میں طرح طرح کے عذاب دئے جاتے ہیں اور جب روجل اپنے اعمال بد کی سزا یہاں بُہکت چُکتی ہے تو اُسے جنت میں داخل ہونے کی اجازت مل جاتی ہے لیکن اُنکے اعتقاد کے مطابق یہاں کے عذاب میں عزیزوں کی دُعا، نماز و نذر اور پادریوں وغیرہ کی سفارش اور شفاعت سے تخفیف ہو جاتی ہے مگر انہیں دوسرا فرقہ اسکا سخت مخالف ہے اور کہتا ہے کہ حضرت عیسیٰ کی خدائی (خدا کا بیٹا اور شریک خدای ہونے پر) اور سُنہ کفارہ پر ایمان لانا جنت میں جانے کے لئے کافی ہے۔ یہاں نیکی و بدی میں تفریق اُٹھ جاتی ہے اُن کے عقاید کے مطابق افعال سے کچھ سروکار ہی نہیں ایک خاص قسم کا اعتقاد بحثائش کے لئے کافی ہے جس نے تمام عمر گناہوں میں گزاری مگر وہ حضرت عیسیٰ اور اُنکے کفارے کا فائل ہے یا مرتے وقت اُن عقاید کا معتقد ہو گیا تو وہ قطعی جنتی ہے برعکس اسکے جسے اپنی زندگی ریاضتوں میں گزاری نیک کام کیے اور تمام عمر عبادت خدا اور بہبودِ خلق اللہ میں صرف کی مگر اُن کے اعتقاد کے مطابق ایمان نہ لایا وہ دوا می جہنمی ہے۔

تقریباً اسی قسم کا اعتقاد اس زمانے کے بہت سے مسلمان فرقوں کا ہے۔ اُن کے اعتقاد کے مطابق مسلمان اور مسلمانوں میں سے بھی صرف انکافر فرقہ مخصوص جنت میں جائیگا جو لوگ اُس فرقہ میں نیک ہیں وہ مرنے کے بعد فوراً اور جو بد ہیں وہ کچھ دنوں دوزخ میں رہ کر اور سزائے اعمال بُہکت کر اور جو زیادہ گنہگار ہیں وہ تا قیامت وہاں رہ کر بروز محشر بوسیاء شفاعت محمدی داخل بہشت ہوں گے اور باقی کُل مذاہب والے حتیٰ کہ مسلمانوں ہی کے دیگر فرقے اُن کے عقاید کے مطابق قطعی جہنمی ہیں اور ابد الابد تک وہاں رہیں گے۔

مگر ہمارے مذہب اسلام کی تو یہ تعلیم ہے نہیں

قرآن شریف میں ہے اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالْمَسٰیكِیْنُ مِنْ اٰمَرٍ بِاللّٰهِ وَالْیَوْمِ
الْاٰخِرِ دَعَوٰی صَالِحَةٍ لِّاٰخِلِیْنٰہُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھُمْ صٰحِیْ وَلَا تَخَافُ عَلَیْھُمْ وَلَا ھُمْ یَخَافُ عَلَیْھُمْ (سورہ بقرہ)
بیشک جو لوگ ایمان والے یعنی مسلمان ہیں اور جو لوگ یہودی اور عیسائی اور صابی ہیں یعنی

علاوہ مسلمانوں کے غیر مذہب والے بھی ان میں کے جو اللہ اور روز قیامت پر ایمان لائے اور اچھے کام کرتے رہے انہیں پروردگار اجر دے گا اور انکو رعاقت میں (نہ ڈرا اور خوف ہو گا نہ خزن ملال +

صرف یہی ایک آیت نہیں بلکہ اس قسم کی اکثر آیتیں کلام پاک میں موجود ہیں چنانچہ دوسری آیت سورہ نسا میں ہے وَمَنْ يَعْلَمْ مِنَ الصَّلٰتِ مِنْ ذِكْرٍ اَوْ نُسِيٍّ اَوْ مَوْمِنٍ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَفِيْزًا اور جو نیک کام کرے گا خواہ مرد ہو یا عورت اور مومن ہی ہو گا وہ جنت میں داخل ہو گا اور اُس پر فقیر برابر ہی ظلم نہیں کیا جائے گا۔

اسلام پاک کی اصلی تعلیم پر غور کرنے سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا یعنی اپنے خالق اصلی کو جاننا اور پہچاننا اور اُس معبود حقیقی کو وحدہ لا شریک ماننا انسان کا پہلا فرض ہے جسے یہ فرض عظیم ادا کیا یعنی اپنے معبود حقیقی کو پہچانا اور شرک سے بچا وہ خواہ کسی فرقے اور کسی مذہب کا ہو یقینی امیدوار اور مستحق انعامات ربانی ہے۔

شرک کی اسلام میں سخت ممانعت ہے اور صرف شرک ایک ایسا گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ معاف نہیں کرے گا چنانچہ کلام پاک میں ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُشْرَكَ بِهِ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاءُ ج۔ بیشک اللہ تعالیٰ (گناہ) شرک کو معاف نہیں کرتا۔ اس کے سوا اور گناہوں کو بخشیتا ہے اگر چاہتا ہے۔ (سورہ نسا)

شکر ہے اُسی رب العالمین کا کہ اس کُردہ خاکی کے باشندے اب شرک سے مجتنب ہو کر راہ راست پر آتے جاتے اور خدا کے وحدہ لا شریک کے قائل ہوتے جاتے ہیں۔ عیسائیوں میں علاوہ فرقہ یونیٹیرین (معاہد) کے دیگر فرقے بھی اب رفتہ رفتہ مسئلہ تثلیث سے انکار کرتے جاتے ہیں ہندو مذہب بھی صدائے جہنم بدلتے کے بعد اب آریہ جون میں اگر وحدانیت کا قائل ہوتا جاتا ہے اور ابکی بُت پرست قومیں بھی گواہی پُرانی لکیر کے فقیر ہیں مگر خود مقرر ہیں کہ بُت قابل پرستش نہیں ہیں واقعی انکی پرستش کی جاتی ہے۔ پرستش کے قابل وہی ذات پاک ہے اور ہم اُسی کی پرستش کرتے ہیں مگر ہمارا بُت اُس کی یاد دہانی اور کیسوی خیال کا کم از کم جاہل کم فہموں کے لیے ایک ذریعہ ہیں۔ اُمید ہے کہ وہ دن محقریب آنے والا ہے کہ یہ کم عقل بھی اس درمیانی ذریعہ عبادت کے محتاج نہیں رہیں گے اور

جوں جوں دنیا کی عمر بڑھتی جائیگی اُن میں بھی اتنی عقل آتی جائے گی کہ بت کو سامنے بٹھا کر یاد خدا کر نیکی
انہیں ضرورت نہیں رہیگی بلکہ براہ راست وہ اُسی کے آگے سر نیاز جھکائیں گے جو عبادت کے
قابل ہے *

اس قسم کے عقائد مذہبی کو ماننے سے کہ اللہ پاک صرف کسی خاص قوم یا فرقے یا مذہب والوں کو بخشے گا
اور باقی سب کو ابد الابد کے لیے دوزخ میں جلائے گا۔ اُس رب العالمین کی شان رحیمی پر بہت بڑا الزام
آتا ہے اور ہمارے نزدیک تو اُس کی شان رحیمی سے انکار کرنا ہی کُفر ہے۔ ممکن نہیں کہ وہ عفو الرحیم جو اپنے
بندوں کو اس قدر چاہتا ہے جس قدر ماں اپنے دودھ پیتے بچے کو بلکہ اُس سے بھی زیادہ اپنے بچوں کو صرف
چند روزہ زندگانی اس دنیا میں دیکر جو خود اُس کے نزدیک ایک لمحہ سے بھی شاید کم ہے (پھر ہمیشہ ہمیشہ
تاریخ میں جلائے اور اُس کا دل نہ دُکھتے۔ ہر کوئی اس دنیا میں ایسا بے رحم سے بیرحم شقی القلب
انسان جسے معلوم ہو جائے کہ اُس کے یہاں جتنے بچے پیدا ہونگے انہیں اپنے ہاتھوں سے اُسے خود جلا
پڑے گا یا وہ ہمیشہ مُصیبت اور تکلیف میں رہیں گے اور یہ معلوم کر کے ہی وہ بچے پیدا ہونے کی
خواہش کرے۔ ہم نے تو جاہل سے جاہل بدکار سے بدکار اور اشد ظالم مرد اور عورتوں کو یہی کہتے
سنا ہے کہ خدا اولاد کا دُکھ اور تکلیف نہ دکھائے۔ اس سے بہتر ہے کہ اولاد دے ہی نہیں جب انسان
کا یہ حال ہے تو وہ رب العالمین رحم الراحمین جو عالم الغیب ہے اور اپنے ایک ایک بندے کے
آئندہ افعال اور قسمتوں کو دُنیا کے پیدا کرنے سے ہی پہلے سے جانتا ہے کیونکہ جان بوجہ کہ جہنم کا
ایندھن بنانے کے لیے اپنے بچوں کو دُنیا میں بھیج چلا جائیگا۔ لوگ کہتے ہیں کہ امتحان کے لیے بندوں کو
دُنیا میں بھیجا ہے کہ دیکھیں یہ بندے ہماری اطاعت اور عبادت کرتے ہیں یا نہیں اور جب اُس کی
عبادت نہیں کرتے تو اُسے ہی غصہ آتا ہے اور جس طرح ماں باپ غصہ میں اپنے بچوں کو سزا میں دیتے
ہیں اُسی طرح وہ قہار بھی اپنے بندوں کو اُنکے اعمال بد کی سزا دیتا ہے۔" اول تو ہم اسی کے قابل نہیں
کہ اُسے ہماری اطاعت اور عبادت کی پرواہ ہے اور ہمارا دُنیا میں آنا بغرض امتحان ہے۔ اور مانا کہ
یوں ہی ہی مگر شروع سے آدم ہی نے اطاعت نہ کی تو اُنکی اولاد کیا خاک اطاعت کرے گی اور اب
ہزاروں برس سے دیکھ لیا کہ کرونا میں صرف ایک دو بندے اطاعت کرتے ہیں باقی سب دُنیا میں
جا کر نافرمان ہو جاتے ہیں اور جوں جوں دنیا کی عمر زیادہ ہوتی جاتی ہے اور قیامت قریب آتی جاتی

ہے بندوں کی بد اعمالیاں بڑھتی جاتی ہیں یہ جان بوجھ کر بے گناہ معصوم ارواحوں کو دنیا میں فراشی دیر
 کے لیے بھیج کر گناہگار اور ہمیشہ کے لئے جہنمی بنانے سے کیا حاصل آزاہش ہو چکی اور معلوم ہو گیا کہ یہ
 ضعیف البیان قابل امتحان نہیں ہے پھر اس طرح اپنے بچوں کو برباد کرنے سے فائدہ کیا؟
 یہ بھی مانا کہ ماں باپ اپنے بچوں کو بڑے کاموں کی سزا دیتے ہیں مگر ہم نے تو آج تک نہیں سنا دیکھا
 تو درکنار کہ کسی کی اولاد ذرا سی دیر نافرمانی اور بیہودگی میں گزارے اور وہ اسکی سزائیں قچی لیکر تمام عمر اولاد
 کو مارے اور پیٹے جائے یہی دیکھا ہے کہ بچے باوجود ممانعت اور تہدید اپنا وقت اہو و لعب میں گزارتے
 ہیں دوسروں سے لڑتے بھڑتے کتے مارتے ہیں اور پٹ پٹا کر جب خاک و مٹی میں سے روئے زمورتے
 گھر میں آتے ہیں تو ماں پچاری مامتا کی ماری دوڑ کر کچھڑ میں بھرے میلے کچیلے بچے کو گود میں اٹھا کر اُس
 کے آنسو پونچھتی ہے مونہہ دہلاتی ہے پیار کرتی ہے اور محبت سے کچیلے سے لگالیتی ہے ماں اگر قصور
 بہت زیادہ ہوا تو ایک آدھ تہ پڑیا دو چار قچیاں ہی مارتی ہے مگر ہولے سے ناقابل برداشت نہیں
 اور وہ ہی اور پری دل سے دھمکائے کے لئے تاکہ آئندہ پھر ایسا نہ کرے نتیجہ یہ ہوا کہ ماں باپ اپنے
 دلپر جبر کر کے یا بعض اوقات غصہ میں بچوں کو سزا دیتے بھی ہیں تو انہیں کی آئندہ زندگی سُنائے کے
 لیے اُس سزا سے بچوں ہی کی بہتری و بہبود کی مقصود ہوتی ہے۔ خدا کے بچے مَر پٹ کر مصیبتیں جھیلکر
 جب اُس کے پاس گئے مانا کہ سزا پا گناہ گار ہی ہیں لیکن اُسے ہمیشہ ہمیشہ انکو دوزخ میں جلانے سے
 کیا حاصل۔ اگر یہ ہی کہا جاتا کہ خدا ہماری بد اعمالیوں کی سزا ہمکو دیکر پھر اس دنیا میں بھیجے گا کہ جاؤ
 اب کے ایسا فقور پھر مست کرنا تو یقین ہی ہوتا کہ ماں بھی وہ سزا ہماری آئندہ زندگی کی اصلاح اور
 ہمارے ہی فائدے کے لیے ہوگی۔ مگر جب پھر اس دنیا میں ہمیں بھیجا نہیں ہماری آئندہ زندگی سُنمانی
 نہیں تو ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں جلانے سے کیا مدعا سزا اس لئے دی جاتی ہے کہ آئندہ کو کان ہوں۔
 سزا پا کر بد غلیوں سے بچنے کی کوشش اس لیے کی جاتی ہے کہ پھر وہ سزا اور تکلیف نہ ملے مگر دوزخ
 میں ہمیشہ کے لئے رکھنے سے تو دونوں نتائج مفقود ہو جاتے ہیں۔ نفوذ باللہ۔ خدا ایسا بے رحم ہی
 تو نہیں جو خواہ مخواہ ہمیں جلتا دیکھ کر خوش اور اپنے دلیں باغ باغ ہو کہ ان کمبختوں نے ہمارا کہنا نہ
 مانا تو ہماری مَن مانی مراد آئی اب یہ ہمارے بس میں آئے ہیں تو ہم ہی خوب جی کھول کر ان سے بدلہ
 لیں اس دنیا کے سوبرس ہی اللہ کے نزدیک ذرا سا عرصہ ہے۔

لینگے ہمیں تو یقین نہیں آتا کہ وہ خالق جان بوجہ موصوم ارواحوں کو گناہ گار بنا کر دوزخ بھرنے کے لئے دنیا میں بھیج رہا ہے اور ذرا سی دیر کے لیے ڈیسی چھوڑ کر پھر وہ ہمیں ایسا دق کرے گا اور لوہے کے چنے چبوائے گا کہ چھٹی کا دودھ یاد آجائے۔ استغفر اللہ۔

اب پھر وہی سوال پیدا ہوتا ہے کہ اچھا مرنیکے بعد ہو گیا؟

دہریوں کی اس بات پر یقین نہیں آتا کہ ہم مگر صرف خاک کا ڈھیر ہو جائینگے مسئلہ تنازع کو بھی حل تسلیم نہیں کرتا اس لئے اور صرف اس لئے نہیں بلکہ علم روحانیت سے ثابت بھی ہو گیا ہے، یہ ماننا پڑتا ہے کہ عالم ارواح ضرور ہے جہاں مگر سب جاتے ہیں لیکن عالم ارواح میں اگر جنت و دوزخ نہ ہو تو نیک و بد کام کرنے کا نتیجہ ہی کیا، کیوں انسان نیک کاموں میں اپنی عمر گنوائے اور کیوں نہ جی کی حسرتیں دل کھول کر اس دنیا میں پوری کر لے اور چند روزہ زندگی میں خوب مزے اڑ لے؟

اصل یہ ہے کہ عالم ارواح کا حال گواہی تک معتمد ہی ہے اور یہ راز خداوندی کسی کو نہیں معلوم ہوا کہ وہ کس کے ساتھ کیا کرتا ہے اور کیا کرے گا مگر یہ یقینی امر ہے کہ افعال کا بدلہ ضرور ملتا ہے اور ملے گا نیکوں کو نیک (جبکہ وہ شرک سے پاک ہونگے) اور بد و مکوہ خواہ وہ کسی فرقے کسی قوم کسی ملک اور کسی مذہب اور ملت کے ہوں مگر کسی کو اس دنیاوی دوز و زہ زندگی کے اعمال کی پاداش میں ہمیشہ دوزخ میں رہنا پڑے ناممکن ہے۔

جنت و دوزخ کی صورت نوعیہ کیا ہے یہ بھی خدا ہی جانتا ہے اور ادراک انسانی مقامات عالم روحانی کی کیفیت اور نوعیت سمجھنے سے قاصر ہے۔

یہ تو سب جانتے ہیں کہ اُس غنی الحمید کو کسی کی عبادت کی ذرا بھی پرواہ نہیں ہے اس لئے یہ یقینی امر ہے کہ وہ اپنے پیارے بندوں کے رجوع شرک نہیں ہیں، اُن گناہان صغیرہ کو نہایت کشادہ دلی کے ساتھ معاف فرمائے گا جبکہ صرف اُس کی ذات پاک سے تعلق ہے مگر وہ قصور جو کوئی انسان

۱۰۔ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُضَيِّعُ اِجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ ۝۱۱۔ اللہ کیلئے کرنے والوں کا اجر ضائع نہیں کرتا۔

۱۲۔ مَنْ يَعْمَلْ سُوءًا مِّنْ شَيْءٍ يَّجْزِ بِهٖ ۝۱۳۔ جو بُرا کام کرے گا اُسے اُس کا بدلہ دیا جائے گا۔

۱۴۔ اِنْ تَجْتَنِبُوا كِبْرًا مَّا تُشْفَوْنَ عَنْهُ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّئَاتِكُمْ وَ يُدْخِلْكُمْ مِّنْ دُمُوحٍ مُّكْرَمًا ۝۱۵۔ اگر تم گناہان کبیرہ سے بچو گے تو تمہارے صغیرہ گناہ ہم معاف کر دیں گے اور اپنے کرم کی جگہ میں داخل کر دیں گے

اپنے ہم جنس کا کرے گا اُسے وہ معاف نہیں کرے گا اور حق العباد ہی گناہان کبیرہ میں اُنکی سزا ملیگی اور ضرور ملے گی۔ اس لئے پُرانے سے پُرانے مذاہب میں عبادت کا پہلا اصول یہ ہے کہ اپنے خدا سے محبت کرو اور اُس کی مخلوق سے بھی محبت کرو۔

اور دراصل یہ قول حافظ علیہ رحمۃ کا سونے کے حرفوں میں کہنے کے قابل ہے۔
مُبَاش در پئے آزار ہر چہ خواہی کُن کہ در شریعت باغیر ازین گناہ نیست
اور دل آزاری سے بچنے کا نہایت آسان طریقہ اور سہل اصول یہ ہے۔

”اُنچہ بر خود پستندی بر دیگران ملیند“

یہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ اس دُنیا میں کم از کم فی زمانہ نہ کوئی قابلِ حُسن ہی ہے نہ قابلِ ناراضی ہر شخص میں نیکی و بدی مخلوط ہے کسی میں یہ زیادہ ہے کسی میں وہ نہ کوئی بالکل ایسا ہے کہ جو فرشتوں سے افضل حُروں کی صحبت اور خدا کے فوری دیدار کے لائق ہو اور نہ اس قدر بد کردار کہ شیطان مجسم ہی ہو اور خداوند پاک کا وعدہ ہے کہ جس میں ایک ذرہ برابر بھی نیکی ہے اُسے بھی اُسکی جزا خیر ملیگی *مَنْ يَتَّقِ اللَّهَ يَجْعَلْ لَهُ مَخْرَجًا*۔ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ خَيْرًا يَرَهُ۔ پھر انسان تو خدا کی مشبیہ ہے وہ کب نیکیوں سے بالکل خالی ہو سکتا ہو سائنس کی دیگر شاخوں کے ساتھ علمِ روحانیت میں ہی روز افزوں ترقی ہو رہی ہے لیکن عام معلومات ابھی محدود ہے و ثوق کے ساتھ کوئی کیسا کا پورا حال نہیں بتا سکتا۔ ارواحوں سے باتیں کر لیتے ہیں اُنکا فوٹو (تصویر عکسی) تک کیچ لیتے ہیں مگر تکمیل معلومات ابھی ”مہنوزدنی و دراست“ کا مضمون ہے +

مسلمانوں کے ایک فرقہ یعنی اہل تصوف نے نیز نامہ ان علمِ روحانیت نے اولاً یہ مان لیا ہے یا ثابت کیا ہے کہ جس طرح درختِ تخم میں مندرج رہتا ہے اُسی طرح ہر قسم کے موجودات ممکنہ حضرت حقیقتِ الحقایق کی ذات میں مندرج تھے اور جس طرح تخم سے درخت کا ظہور ہوتا ہے اُسی طرح ذاتِ محترم سے ان عوالم اور اُنکی موجودات کا ظہور ہوا ہے *وَاللَّهُ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ مُّخِيطٌ* وہ ذاتِ پاک ہر شے میں ہے کوئی شے غیر ذاتِ حقیقتِ الحقایق نہیں ہے بلکہ ہر شے عین ذاتِ حقیقتِ الحقایق ہے ”مختصر یہ کہ تمام موجودات عالمِ امر و عالمِ خلق میں سے ہر چیز خداوند کریم کے وجود کا ایک جزو ہے اس لئے رُوحِ انسانی بھی اُسی وجودِ پاک کا ایک حصہ ہے۔

قطرہ اپنا بھی حقیقت میں ہی دیا لیکن ہم کو تقلید تنک ظرفی منصور نہیں
اس سے یہ مقصود ہرگز نہیں ہے کہ ہر شخص اپنے تئیں خدا سمجھے۔ بہانیو

کہیں جوش میں آ کے بہنا نہیں سمجھنے کی ہی بات کہتا نہیں

درخت کا کوئی پتہ اپنے تئیں درخت یا پہول کی کوئی پنکھڑی اپنے کو پہول نہیں کہہ سکتی چہ جائیکہ تخم
ہونی کا دعویٰ جب قطرہ پر دریا کا اطلاق نہیں ہو سکتا تو سمندر کا اطلاق کیونکر ہوگا ایسی ہی نسبت
تشبیہی روح انسانی کو وجود خداوندی سے ہے

آدم کو خدا مست کہو آدم خدا نہیں لیکن خدا کی ذات سے آدم جدا نہیں

جب یہ معلوم ہو گیا کہ روح انسانی اُس روح پاک کا ایک جزو ہے تو اب یہ سمجھنا آسان ہوگا کہ اس جزو
خفیف کو خرقة نما سوتی یعنی یہ قالب خاکی چوڑنے کے بعد بھی اپنے مبداء اپنے مخزن یعنی روح پاک سے
جدا ہی یا یوں کہو کہ تقریب خداوندی حاصل نہ ہونا سب سے بڑا عذاب ہے عشرت قطرہ ہے دریا میں فنا
ہو جانا جس نے اس دنیا میں عشق مجازی گمراہ چکنا ہے اور فراق معشوق کے صدمے اٹھائے ہیں وہ
اب بھی کچھ سمجھ سکتا ہے کہ روح کو اپنے مطلوب اصلی سے فراق کی جلن کیسی ہوگی۔

آتش دوزخ میں یہ گرمی کہاں سوز عہدائے نہانی اور ہے

اُس فراق میں جو بچپنی اور جلن ہوگی اسی کا نام دوزخ ہے اور روح کا روح اعظم سے وصال ہونا
قطرہ کا دریا میں فنا ہو جانا جنت ہے اور طالب و مطلوب میں جب تک یکساں کشش نہوا نہیں وصال
ناممکن ہے۔ اسی کشش کا نام محبت ہے اور اسی محبت کی کشش پر انتظام عوالم کا دار و مدار ہے۔ اس
قانون قدرت سے خلاف ورزی باعث رنج و عذاب ہوتی ہے۔

ہر ذی ہوش اور خردمند جانتا ہے کہ جرم یا گناہ (گناہ عربی) لفظ جناح سے نکلا ہے جس کے
لغوی معنی کجراہی یعنی اصلی راستہ کو چھوڑ کر غلط راستہ پر چلنے کے ہیں) کے بعد حجب دل خود لعنت
و ملامت کرتا ہے یا اُس کے نتیجہ میں کوئی سزا بہگتتی پڑتی ہے کسی مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو رنج
و افسوس کا دل و دماغ پر یا یوں کہیے کہ روح پر کیا اثر پڑتا ہے دل میں کیسی کچھ جلن روح کو کیسی
کچھ اذیت ہوتی ہے جب دنیا میں خلاف قانون سلطنت کرنے سے طرح طرح کی اذیتیں اور پشیمانی
ہوتی ہیں تو خلاف قانون فطرت کرنے سے اُن بد اعمالیوں کے نتیجہ میں ہم کو جو اذیت روحی عالم

ارواح میں ہوگی اُس کی تشبیہ عوام الناس کو سمجھانے کے لئے سوائے نارچہنم کے اور کس سے دیکھ سکتی تھی واقعی کسی آگ میں اتنی گرمی نہ ہوگی جتنی سوزش قلب میں ہوتی ہے پھر اُس سوزش روحانی کا کیا بیان ہو سکتا ہے جو عالم ارواح میں رُوح کو فراق مطلوب و محبوب میں ہوگی اور وہی قالبِ جاہلی **لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ الْمُؤَكَّدَةُ ۝ الَّتِي تَطْلُمُ عَلَى الْوَقْدَةِ** یعنی جس نے جیسے خراب اعمال اس دُنیا میں کیے ہونگے جس قدر زیادہ کام خلاف قدرت (حکم خداوندی کے خلاف) کر کے اپنے کو ناقابلِ رُسائی بنایا ہوگا اتنی ہی اُس کو رُوحانی اذیت زیادہ ہوگی اور رفتہ رفتہ اُن ارواح کو قایل ہونا پڑے گا کہ یہ ہماری غلط کاریوں اور ہمارے ہی کیے کا نتیجہ اور ہمارے ہی کرموں کا پھل ہے۔

جو کچھ میں یہ سب اپنے ہی ہاتھوں کے ہیں کر توت

اس دُنیا میں نہیں تو اُس عالم رُوحانی میں اُنکو ثابت ہو جائیگا کہ قوانین قدرت پر عمل کرنا یعنی احکام خداوندی کے آگے سر نیاز جھکانا ہمارا فرض ہے۔ وہ بد اعمال وہ گنہگار اُس سوزش رُوحانی کے عذاب میں ارحم الراحمین کی مرضی اور خوشی سے نہیں بلکہ اپنے کر توتوں سے آپ گرفتار ہونگے اور آپ اپنا دوزخ بنائیں گے اور اُس دوزخ میں اُس وقت تک رہیں گے جب تک سچے دل سے اپنی بد اعمالیوں پر پشیمان ہو کر اپنے خالق اپنے مالک کے آگے توبہ نہ کریں گے (توبہ یہی لفظ عربی ہے جس کا لغوی معنی غلط راہ کو چھوڑ کر راہِ راست پر آنے کے ہیں) یعنی قوانین قدرت کی اطاعت احکام خداوندی کی تعمیل سے پھر گریز کر نیکا خیال چھوڑ کر تسلیمِ خم کریں گے اور مان لیں گے کہ ہاں راہِ راست سے ذرا ہی ہٹنا ذرا ہی خلاف منشاء قدرت کرنا اذیت اور مصیبت کا باعث ہوتا ہے۔

ممکن ہے کہ بعضوں کے لیے یہ سوزش ابدی ہو مگر انہیں ہٹ دھرموں کے لیے جو کسی طرح کجروی چھوڑ کر راہِ راست کو اختیار ہی نہ کریں گے اور محبت اور اطاعت خداوندی سے انکار ہی کئے جائیں گے ورنہ بدتر سے بدتر گنہگار بھی جو وقت اپنی غلط کاریوں پر نادم ہو کر توبہ کرے گا اور اپنے تئیں اُن موجودہ بد اعتقادیوں اور نافرمانیوں سے صاف کر لیا جنکے باعث قدرتی کششِ رحمت خداوندی کی برقی لہریں متنفر ہو کر پھر جاتی تھیں اسی وقت وہ رب العالمین جذبہ محبت سے کہیں پھر اُس نادم اور پشیمان ارواح کو اس طرح آغوشِ رحمت میں لے لیا جس طرح محبت بھری ماں اپنے کیچڑ میں بھرے ہوئے خاک مٹی میں سے بچے کو پیار سے گود میں لیکر گلے لگا لیتی ہے۔

تمام ارواحوں کی گزشتہ کثافتیں اُس دُوح پاک میں ذرا ہی دہیہ نہیں لگا سکیں گی ہزار ہا برس سے صدمہ دریا تمام دنیا کی کثافتوں سے آلودہ ہو کر سمندر میں گر رہے ہیں مگر سمندر کا پانی آج بھی ویسا ہی صاف ہے جیسا ہزار ہا برس پیشتر تہا روز ازل سے سورج کی کرنیں ہمارے کمرے خاک پر روز مرہ آکر غلیظ اور کثیف مقاموں پر پڑتی ہیں مگر جب اپنے مخزن میں واپس جاتی ہیں تو اُس کمرے نور کو فردا بھی کثیف نہیں کر سکتیں دریاؤں کا پانی سمند میں اور سورج کی کرنیں سورج میں جا کر خود صاف ہو جاتی ہیں اسی طرح ہماری کثافتیں بھی جب ہم اُس روح پاک کا تقرب حاصل کرینگے صاف ہو جائیں گی اور اِس وصال سے جو خوشی حاصل ہوگی وہی جنت ہے جو مقامات تقرب ارواح کو قیام کے لیے ملیں گے وہ باغوں شاہی محلوں جواہرات سے مکمل عمارتوں وغیرہ سے بھی اس قدر زیادہ خوشگوار ہونگے کہ انکی دنیاوی مثال نایاب سے نایاب چیزوں سے بھی دیکھاے جب بھی پوری نہیں ہو سکتی جس طرح مادر زاد اندھے کو یہ بتانا مشکل ہے کہ سُرخ رنگ ایسا ہوتا ہے اور سبز و زرد اور گلہابی وغیرہ ایسا بیطرح انسان کو اُس بہار وار سیسٹری اور وہاں کے آرام و آسائش اور دلچسپی کن سامانوں کی مثال اہلی تو کیا تشبیہ دینا بھی ناممکن ہے معمولی عقل کے انسان کو سمجھانے کے لیے یہی کہا جاسکتا ہے کہ جنت میں نہایت خوشنما باغ ہونگے ہنڈے ہنڈے سائے ہونگے نہریں جاری ہونگی قیمتی پتھروں اور موتیوں کے محل ہونگے اور جن چیزوں سے انسان کا دل خوش ہو سکتا ہے وہ سب اعلیٰ درجہ کے پھیانے پرواں موجود ہونگی اور سب سے بڑی نعمت اور انسان کی اعلیٰ کامیابی تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی ہوگی۔

وَرِضْوَانٌ مِّنَ اللَّهِ أَكْبَرُ ذَٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْعَظِيمُ

بعض اشخاص جنکو اپنے زہد و عبادت پر ناز اور شاید اپنی بخشائیں کا پورا بھروسہ غالباً کہیں گے کہ مرنے کے بعد جب سوزش یعنی عذاب کو دیکھ لیا تو پھر توبہ تبسبول ہی نہ ہوگی غیب پر ایمان لانے کا تمام اسلام اطاعت قدرت ہے جنہوں نے دنیا میں احکام خداوندی سے سرتابی کی اُن کم بختوں کو ہمیشہ دوزخ میں جلانا ہی اچھا ہے اُس معبود حقیقی کی شان رحیمی کو اس قدر محدود خیال کرنا ہمارے خیال میں تو انسان کی لاناہنگ تباہی ہے۔

قرآن پاک میں ہے قُلْ أَرَأَيْتُمْ إِنْ أَسْأَلُكُمْ عَذَابَ اللَّهِ أَتَأْتِكُمُ السَّاعَةُ غَيْرَ اللَّهِ تَدْعُونَ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ ۚ بَلْ يَأْتِيهِمْ مَّتَدَّ عَوْثُ الْيَوْمِ أَنْشَاءً وَيَسْأَلُونَ مَا تُنذِرُونَ ۚ

(ترجمہ) کہو کیا تھے دیکھا ہے کہ تم پر عذاب اللہ یا قیامت آجائے تو تم خدا کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر سچے ہو بلکہ اسی کو پکارو گے اور جس لئے تم اُسے پکارو گے اگر وہ چاہیگا تو اُسے دُور کر دیکھا اور انہیں بہول جاؤ گے جنہیں تم خدا کا شریک کرتے ہو۔

یعنی عذاب کو دیکھ کر یا بروز قیامت مُشرک بھی اپنے معجونِ باطل کو بھول جائیگا اور مدد کے لئے معبودِ حقیقی ہی کو پکاریں گے اور اُس وقت دریاے ترخمِ جوش میں آئیگا اور وہ غفور الرحیم اُس وقت عذاب کو دُور کر کے اُن نادم ارواحوں کو آغوشِ رحمت میں چُپا لیکر چاہے گا۔ اور ضرور یہاں کرے گا +

اس آیتِ پاک سے ظاہر ہے کہ جو کج فہم ارواحیں عالمِ روحانی میں پہنچ کر اُس دہکتی ہوئی آگ کے عذاب میں بھی مستلک ہو کر جو دلوں کو جلاتی ہے (یعنی سوزشِ قلبی) کج رویِ ریعنی شرک اور نافرمانی ہے تا یب نہ ہونگی وہ بھی بروز قیامت اپنے کیے پر پشیمان اور نادم ہو کر اُس معبودِ حقیقی ہی کو مدد کے لیے پکاریں گی اور بروز قیامت ایک جزوِ ادنیٰ ہی ایسا نہیں باقی رہیگا جس سے روحِ اعظم کی برقی لہریں متنفر ہوں +

شیخ المشائخ جناب حسن نظامی صاحب فرماتے ہیں جو سمجھ میں آتا ہے۔

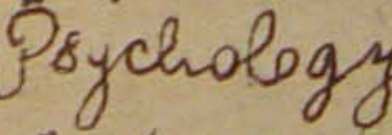
”کس کی جنت کس کی دوزخ انہوں نے بچارے بندوں کو کُن کی انگلی پر پکار کھائے کسی کہتے ہیں جنت دُونکا کسی کو کہتے ہیں دوزخ میں ڈال دُونکا کہیں دیدار کا وعدہ کرتے ہیں کسی کے سامنے صاف ٹکراتے ہیں کہ بھلا مجھ کو کون دیکھ نہ سکتا ہے میں کہیں دیکھنے کی چیز ہوں۔۔۔ مانا تم خدا ہو تم قدرت والے ہو تم کو سب کچھ آتا ہے مگر ان اپنی بنائی ہوئی مورتوں کے ستارے میں کیا رکھتا ہے اس میں آپ کو کیا فرامتا ہے ہم تجھ جہنم تک کُن فیکون کا عملدرآمد ہے ہر سہتی دوزخ میں ہے اور جب یہ دوزخ ختم ہو جائیگا ہر وجود جنت میں چلا جائیگا“ (صوفی جلد ۱۱ ص ۱۹۱، جنوری ۱۹۷۱ء، ربيع الاول ۱۳۹۲ھ) +

یہ سچ ہے اور ہمیں بھی یہی اُمید ہے کہ وہ غفور الرحیم ایک دن اپنے سب بندوں کو جنت میں جمع کرے گا۔ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر ایک اپنے ہم جنس سے رغبت رکھتا ہے کُنڈ ہم جنس با ہم جنس پر داز، اور اپنے ہم جنسوں ہی میں خوش رہتا ہے اس قانونِ مہرنگی کی اطاعت میں رُوح بھی اُس تبدیلی کے بعد

جسکا نام موت ہے اپنے ہم جنسوں ہی میں جا پا پسند کرتی ہے یعنی اُس خطہ روحانی کی طرف کھینچتی ہے جو اُس کی اُس وقت کی حالت کے موزوں ہوتا ہے اپنے سے اعلیٰ درجہ کی ارواحوں میں خواہ وہ فرشتے ہوں یا حواریں یکایک جانا بجائے خوشی اور آرام کے یقینی بچپنی کا باعث ہوگا۔ ناظرین آپ خود اپنے دل میں سوچئے کہ کسی مہذب شاہستہ محفل میں کوئی اُجڑا گنوار آجائے تو وہ کیسا کچھ شرمندہ۔ کھیا نہ اور پریشان ہوگا اور اُس کی موجودگی بے ٹنگے افعال و اقوال بدتمیز حرکتیں خود را بہ باب محفل کے لئے کس قدر باعث پڑمردگی ہوگی۔ کوئی بھی اپنے بچپنوں سے علیحدہ ہو کر خوش نہیں رہ سکتا۔

یوسف کہ بہ مصر یا و شاہی میسکرد میگفت گدا بودن کنعاں خوشتر
یہی حال ہم گنہگاروں کا عالم ارواح میں ہوگا یکایک محفل کر و بیاں میں جا کر ہم خوش نہیں رہ سکتے گو ہم کو ہاں جانے کی اجازت ہی کیوں نہ ملجائے۔ و ہاں کی تجلی ہماری کمزور آنکھوں کو چوندھیا دیگی اور فرشتوں اور حواریں یایوں کہنے کہ نورانی ارواحوں کے جاہ و جلال کو دیکھہ دیکھہ کر ہم آلودہ معصیت شرم سے پسینہ پسینہ ہو جائینگے دنیا میں نیک بندوں کی ارواحیں ہی کثافت سے غالی نہیں ہیں نورانی ارواحوں کے سامنے ہم اپنی کثیف حالت میں یکایک اگر جائیں تو ہماری حالت قریب قریب وہی ہوگی جو ایک غلاطت بھرے تالاب کی مچھلی کی اگر اُسکو غلیظ پانی سے نکال کر کھلی آفتاب میں لے آئیں۔

اس دنیا میں ہماری عیب پوشیاں ہوئے جاتی ہیں مگر عالم نورانی میں ہمارا ایک ایک عیب اس طرح ظاہر ہوگا جس طرح خوردین میں دیکھنے سے باریک سے باریک ذرے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

یہ خیال عام کہ موت گویا طلسمی طور پر ہماری ارواحوں کی حالت بالکل بدل دیتی ہے سراسر غلط ہے روح جیسی لافانی شئی کے لئے اس قالب خاکی سے علیحدہ ہونا معمولی واقعات میں سے ہے اس واقعہ سے روحانی حالت میں ذرا ہی تغیر نہیں ہوتا۔ موت کوئی قوت اعجاز نہیں ہے جو انسان کو یکایک فرشتہ یا شیطان بنا دے سامی کولوجی  یعنی علم روحانی سے جنکو واقفیت ہے اور جنہوں نے روحانی حالات کے مشاہدے کی طاقت حاصل کر لی ہے

وہ بخوبی جانتے ہیں کہ بعد موت انسان کی شخصیت بالکل وہی قائم رہتی ہے جو کہ قبل موت تھی۔
عالم ارواح میں داخل ہونے کے بعد بھی اُس کے عادات و خصائل بالکل ویسے ہی رہتے ہیں
جیسے دنیا میں تھے۔

جنکو اُس مشاہدہ کی طاقت ہے اکثر اُن کے مشاہدہ میں آیا ہے کہ بہت سے نادان بعد موت اس قدر
بہی تیز نہیں کر سکتے کہ اُن میں کیا تبدیلی ہوئی ہے وہ اپنے تئیں اُسی جسم خاکی میں مجبوس سمجھتے ہیں اور
روزمرہ اُسی طرح چلتے پھرتے اور معمولی کام اپنے خیال میں کرتے ہیں جس طرح زندگی میں کرتے تھے
اور اکثر مہینوں بلکہ عرصہ تک اُسی مکان میں رہتے اُنہیں مقامات میں آتے جاتے ہیں جہاں زمانہ حیات
میں اُن کا قیام و گذر تھا اُن کی حالت بالکل اُس پرندے کی سی ہوتی ہے جو سالہا سال پتھرے میں بند
رہا ہو اور پتھرے کی کھڑکی کھول دینے پر بھی اپنے تئیں مقتید ہی سمجھے (اکثر جانور مثلاً کتے جو کہ بہت
ہی وفادار ہوتے ہیں بعد موت مہینوں اپنے مالک کے ساتھ پھرتے اور وہی حرکتیں کرتے ہوئے دیکھے
گئے ہیں جو کہ وہ اپنی زندگی میں کرتے تھے)۔

پُرانے جاہلیت کے خیالات کہ مَرُوے کی رُوح چالیس دن تک اُسی گھر میں رہتی ہے جہاں واقعہ
انتقال ہوا تھا یا چالیسویں تک روپ اپنی کھد پڑاتی ہے اسلئے وہاں چراغ اور خوشبو وغیرہ جلاتا
ضروری ہے اغلب ہے کہ ایک حد تک درست ہیں اگر تمام ارواحیں نہیں تو وہ ارواحیں تو ضرور
ہی وہاں رہتی یا آتی جاتی ہیں جنہیں اپنی تبدیلی یعنی موت کا احساس نہیں ہوتا غرضیکہ موت سے روحانی
حالت میں سوائے قالب خاکی سے آزادی کے اور کوئی خاص بڑی تبدیلی نہیں ہوتی اگر موت کے
بعد فوراً ہی انسان کی کُل نیکیاں برباد ہو کر وہ شیطان خلقت آزار ہو جائے یا کُل کثافتیں یکایک
معدوم ہو کر وہ قدوسوں میں جائے تو پھر وہ وہ انسان ہی کہاں رہا۔ وہ تو بالکل ہی ایک نیا
مخلوق ہو گیا۔

کون کہہ سکتا ہے کہ وہ خالق بے نیاز کس کے ساتھ کیا برتاؤ کرے گا۔ یہ خیال ہرگز صحیح نہیں ہو سکتا
کہ ہماری اس چند روزہ زندگی کی محدودے چند غلطیاں ہماری تمام آئندہ اُمیدوں پر پانی پھیریں
اور ایک دفعہ اس دنیا میں ٹھوکر کھا کر پھر ہم کو سنبھلنے کا موقع ہی نہ دیا جائے۔ اس سرائے فانی میں
ہمارا دور روزہ قیام ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہم کو ناکام بنا دے اور ہم سوائے دوزخ کا ایندھن بننے کے

اور کسی کام ہی کے نہ رہیں۔ ممکن نہیں ہرگز ممکن نہیں صرف اس کرۂ خاکی پر ہماری چند روزہ بود و
باش ہماری آئندہ فتمتوں کا فیصلہ نہیں کر سکتی۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ جو کچھ ہم یہاں کرتے ہیں اس کا اثر
آئندہ زندگی پر بہت کچھ پڑے گا گو اس زندگی کے گناہ ہم کو ہمیشہ کے لئے حصول مدعا یعنی تقرب
روح پاک سے محروم نہ کر سکیں تاہم وہ ہمارے عروج روحانی میں بہت زیادہ حائل ہونگے اور
مدت فراق کو زیادہ کر کے ہمارے روحی عذاب سوزش قلبی اور جانکاہی کا بہت عرصہ تک
باعث ہونگے۔

بعض اصحاب کہیں گے کہ اگر مان لیا جائے کہ دوزخ نہیں ہے اور کوئی ہمیشہ کے لئے جنت (تقرب
محبوب) سے محروم نہیں رہیگا تو دنیا میں لوگ اور بھی زیادہ گناہ کریں گے زیادہ بد کاریوں کے مرتکب
ہونگے بیشک یہ ایک حد تک سچ ہے اور جاہلوں نادانوں کو سمجھانے کے لئے نوعی دوزخ کا قیام رکھنا
ضروری ہے گو تجربہ نے اس دہکی کو زیادہ فائدہ بخش ثابت نہیں کیا اور دنیا کی ابتدائی عمر سے آج تک
شاید بعض ہی گناہوں سے بچے ہوں اور اس ڈراوے کو مانکر بد کاریوں سے باز رہے ہوں تاہم
جو دوزخ اور جنت کے قائل ہیں اور دوزخ کے ڈر سے یا جنت کے لالچ سے بد کاریوں سے
بچتے اور نیک کام نسبتاً زیادہ کرتے ہیں وہ بہت اچھے ہیں انہیں اُسے سروکار نہیں ان کے
اعتقاد ان کو مبارک رہیں اور خدا انکو ہمیشہ نیک ہدایت اور نیکی کی توفیق دے کہ وہ صراط مستقیم کو
نہ چھوڑیں اور فائز المرام اپنی منزل مقصود پر پہنچیں۔

ہمارا یہ مضمون ان عقلمندان وقت کے لئے ہے جنکو دوزخ کی دہکیوں نے بد عقیدہ بنا دیا ہے
جن کی بد اعتقادی علم اور تہذیب کی ترقی کے ساتھ بڑھتی جاتی ہے جو جنت اور دوزخ کے ذکر پر
سنستے ہیں اور کہتے ہیں کہ جنت و دوزخ ہیں کہاں زمین پر تو ہیں نہیں کیونکہ جغرافیہ دنیا میں معلوم ہے
آسمان پر بھی نہیں ہیں کیونکہ آسمان خود کوئی چیز نہیں ہماری سائنس کہتی ہے کہ حدنگاہ کا نام ہے۔ پہر
یہ دسین رقبہ کس جگہ پر واقع ہیں اجی نہ دوزخ ہے نہ جنت یہ سب کہنے کی باتیں ہیں۔

ہمیں معلوم ہے جنت کی حقیقت لیکن دل کے خوش رکھنے کو غالب خیال چاہیے
اور خدا کی بیرحمی کی نہ بھڑائی اور جبر و قہر وغیرہ کی ان کہانیوں سے جو اکثر مذہبی لوگوں نے گھڑ رکھی ہیں ایسے
بیدل ہوتے ہیں کہ اُس فات پاک کے وجود ہی سے انکار کر بیٹھے ہیں۔ خدا سے پاک اور جنت و

دوزخ پر ایمان لانے کی بجائے دہریے ہونے کو ترجیح دیتے ہیں اور سیانے کوئے "بکر عالم روحانی" کے لیے انجانی ہیں اپنا دوزخ آپ بناتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اصلی حال کا سمجھنا ہم رازدہی فرض ہے۔

حضرت عیسیٰ کے زمانے میں دنیا کی عمر کم تھی اسوقت کے لوگوں میں رازنامے دقیق کے سمجھنے کی قابلیت نہ تھی ایسے مسیح علیہ السلام نے بہت سے راز اپنی اُمت کو نہیں بتائے بلکہ آئندہ آنے والے رُوح الحق کے لیے چھوڑ گئے اور جو کچھ بتایا بھی وہ بھی استعارات اور تشبیہات میں حضرت عیسیٰ کے چہتہ سو برس بعد جب وہ رُوح الحق یعنی رسول پاک ہمارے آقائے نامدار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو انہوں نے ہدایت خداوندی سے اُن تمام راز نامے سرستہ کی تشریح کر کے مذہب کو تکمیل پر پہنچا دیا اور ہر بات اس خوبی سے سمجھائی کہ جاہل اور کم سمجھ بھی اُسکو اپنے خیالات کے مطابق سمجھ لے اور سیکڑوں بلکہ ہزاروں برس کے بعد باوجود علم و عقل تہذیب و سائنس میں ہزار گنی ترقی ہونے کے اُس بات کا نتیجہ عقلمندان وقت اور فلاسفر صرف وہی نکال سکیں جو اُسکا اصلی مقصود ہے اُس اُمی عرب کی تعلیم میں آج تیرہ سو برس کے بعد بھی بڑے بڑے پروفیسرز اور فلاسفرز ایک ذرہ برابر نقص نہیں نکال سکتے۔ بہت دہریوں اور نا سمجھوں کا کچھ کہنا نہیں بقول ایک انگریزی مثل کے جسکا ترجمہ ہے کہ "بیوقوف وہاں درآئے گھس جاتے ہیں جہاں فرشتے قدم اٹھاتے ہوئے ڈرتے ہیں۔"

دوزخ کی تشریح کو جو کہ خاتم المرسلین کی ہے ملاحظہ فرمائیے۔ اصل حدیث تو مجھے یاد نہیں مگر اُسکا خلاصہ مطلب یہ ہے "دوزخ کا طول پانچ سو برس کا اور عرض پانچ سو برس کا ایسے دوزخ عمیق بھی استقامت ہے کہ اُس میں پتھر پھیکا جائے تو پانچ سو برس میں اُس کی تہ پر پہنچے۔" نا سمجھ اور کم عقل سمجھیکا کہ دوزخ دہکتی ہوئی آگ کا بہت ہی بُرا عریض و طویل اور عمیق قتبہ ہے اس خیال سے اُس کی رُوح کا پنے گی عقلمند اصلی راز کو سمجھ لے گا کہ بدکاروں کے لئے کُل عالم کائنات دوزخ ہے کوئی جگہ مخصوص نہیں کثیف ارواح کہیں جائے زمین میں یا آسمان میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک کہیں اُسے سوزش رُوحانی اور اپنے بنائے ہوئے دوزخ سے نجات نہیں ملے گی۔

Fools rush in where angels fear to tread. (انگریزی مثل)

ناظرین یاد رکھئے کہ تمام خود غرضانہ افعال، دشمن کلام، بُرے خیالات ہمارے رُوحی اعمال میں بکے جاتے ہیں اور ہماری رُوحانی زندگی میں وہ لانا تھا سوزش نہانی اور عذاب جانکاہ کا باعث ہونگے اور جب تک اُن بد اعمالیوں کا نتیجہ نہ ملے گا سوزش رُوحانی سے نجات نہیں ملے گی۔ بعض عیسائیوں کا خیال کہ حضرت عیسیٰ کی خدائی پر صرف ایمان لانا یا بعض مسلمانوں کا خیال کہ مرتے وقت صرف مونہ سے توبہ کہہ لینا بخشائش کے لئے کافی ہے بہت زیادہ غلطی پر مبنی ہے بد اعمالیوں کی پشیمانی سے ہماری آنکھیں تو جھکی ہی رہیں گی اور دل میں خفت تو ہووے ہی گی چاہے ہمارا چاہنے والا خدا ہمارے قصوروں کو ہمارے خاص عقیدہ پر ایمان لانے یا توبہ کرنے سے فوراً معاف ہی کر دے۔ اور ہم یہ بھی بتا چکے ہیں کہ خدا معاف بھی کرے گا تو وہی قصور جو اُس کی جناب میں کئے ہیں دوسروں کے قصور وہ ہرگز ہرگز معاف نہیں کرے گا جب تک دوسروں کا دین ایک ایک حیہ ادا نہ کر دینگے ہمیں عروج اور قربت نصیب نہیں ہوگی۔

یہ خیال بھی صحیح نہیں ہے کہ نیک آدمی مرتے ہی جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ ماہرینِ علم رُوحانی کے علاوہ عوام الناس بھی قوانینِ فطرت پر غور کرنے سے اس بات کو سمجھ سکتے ہیں۔

لا بُوت در جبروت میں جبروت و ملکوت میں
این ہرہ در ناسوت میں گر عاقلے اے مرد کار

جو کچھ عالم نورانی و رُوحانی میں ہوتا ہے عالم ناسوت یعنی یہ دُنیا اُسکا نمونہ ہے۔ اس عالم ناسوت کے انتظام کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر چیز میں تغیر بتدریج ہوتا ہے۔ موسموں کو دیکھئے کیا آہستہ آہستہ تبدیل ہوتے ہیں۔ سخت گرمی کے بعد یکایک کرکڑا جاتا انہیں پڑنے لگتا بلکہ رفتہ رفتہ خشکی بڑھتی ہے۔ دوپہر کا جلگہ گاتا آفتاب دُنیا کو یکایک آدھی رات کی تاریکی میں چھوڑ کر غائب نہیں ہو جاتا۔ اندھیری رات کے بعد صبح کا نور آہستہ آہستہ دُنیا کو منور کرتا ہے تاکہ ہماری نظریں یکایک خیرہ نہ ہو جائیں۔

یہی حال ارواح کا ہوتا ہے اس کڑے خاکی پر سا لہا سال کے قیام سے ہماری رُوحانی آنکھوں میں اتنی طاقت نہیں ہوتی کہ وہ یکایک نورِ یزدانی کی برداشت کر سکیں۔ عالم ملکوت کے ادنیٰ طبقات سے جب ہماری رُوح رفتہ رفتہ عروج کرتی ہے تو جوں جوں اُس میں طاقت برداشت

آتی جاتی ہے ووں ووں تقریب حاصل ہوتا جاتا ہے اور روح کو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے خالق اپنے مطلوب کی طرف جا رہی ہے۔

یہ علم روحانی خوشی اور شادمانی کا باعث ہوتا ہے اور روح مقام مقصود پر جلد پہنچنے کی اور بھی زیادہ کوشش کرتی ہے اور جو کیندہ یا بندہ بتدریج عروج کے ساتھ اُس میں سُکنے سمجھنے اور تجلیات کے دیکھنے کی طاقت آتی اور برداشت ہوتی جاتی ہے جس طرح عالم ناسوت یعنی اس دُنیا میں علم کی روشنی ہماری بصیرت اور سمجھ بوجھ کو زیادہ کرتی ہے اور اُس سے ہم کو خوشی و شادمانی حاصل ہوتی ہے اُسی طرح ہمارا روحانی عروج ہمارے لیے باعث مسرت ہوتا ہے اور یہی عروج بتدریج ارواح کو اُس جنت کی طرف لجاتا ہے جہاں ہم کو اُس خالق بے نیاز سے اُمید ہے کہ ایک دن اُس کے سب بچے اُس کی آغوشِ محبت میں جمع ہو کر اپنے مالک کی حضوری اور اپنے خالق کے زیر سایہ مُقیم ہونگے اور پھر وہاں ابدالِ ابد تک رہیں گے اور ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اُس سوزشِ نہانی سے نجات پائیں گے جس کا نام دوزخ ہے۔ ہم اُس کے ہیں اور اُس کے بچوں کو دوزخ جلائے ناممکن ہے۔

دل ہر قطرہ ہے سازِ انا البھر ہم آں کے ہیں ہمارا پوچھنا کیا

راستم

عاصی پرمعاصی

ڈاکٹر محمد عیسیٰ دہلوی

(مصنف کتاب النکاح وغیرہ)

ہماری دیگر تصانیف میں ایک آن سرخ اردو یعنی کتاب النکاح و طہارت

یہ کتاب مسائل کی نہیں بلکہ تاریخی اور اپنی طرز و نوعیت میں باہل نئی اور مضامین جدید سے مزین و پُر اثر شاہی دعویٰ نہیں بلکہ امر واقعی اور اہل زبان کی رائے ہو کہ اس کی نظیر زبان اردو میں نایاب کیونکہ اس سچکٹ و مضمون کو آج تک کسی نے اردو زبان میں لکھنے کا خیال بھی نہیں کیا۔ کتاب دو حصوں اور ضمیمہ پر منقسم ہے۔

حصہ اول میں ہسٹری آف میرٹج یعنی رسم کتختائی کی تاریخ مختلف انگریزی کتب و تاریخ سے اخذ کر کے یکجا کی ہو جس سے ظاہر ہوتا ہو کہ طریقہ کتختائی حضرت عیسیٰ سے ۳۵۰۰ برس پیشتر ایجاد ہوا تھا اس سے قبل تمام دنیا میں عورتیں ملکیت عام تھیں اور مواصلت زن و مرد کے لئے کوئی قانون کوئی رسم اور کوئی روک ٹوک نہ تھی پہر پالی تھیں یعنی تعدد ازواج مانوگمی یعنی عقد واحد اور گھسٹلکس میرٹج یعنی مشترک شادی کے طریقوں کی تاریخ اور اس کی نسبت نہایت ہی دلچسپ مضامین ہیں۔

زنا بعد پرانی اور نئی دنیا کے ہر ملک اور ہر حصے کے رسوم شادی ابتدائے آفرینش سے آج تک کے ایسے پُر لطف پیرائے میں بیان کیے ہیں کہ اُسے علاوہ تاریخی معلومات میں اصناف ہونے کے ناظرین کا چڑھنے میں مل ہی لگتا ہے۔ فریقہ کے وحشی فرقوں اور امریکی کی قوم مارسن کے حالات نیز ان مقامات کے رسوم شادی جہاں تین مہینہ کا دن اور تین مہینہ کی رات ہوتی ہو، اور ہر مہما کے حالات عجیب و غریب ہیں۔ اس حصہ کے اختتام پر موجودہ رسوم شادی کے نقص و عیوب کا بیان اور اکثر رتی رازوں کا انکشاف کیا گیا ہے۔

حصہ دوم میں طریقہ کتختائی کے تمام عیوب اور نقائص کو دور کرنے کی تجاویز اور علاج بتایا ہے۔ تعلیم نسوان پر وہ انشواں اصول تعدد ازواج اور کم سنی کی شادی اور تجدد کے نقصانات وغیرہ بسیط علمی اور مذہبی بحث کی گئی ہے اور اکثر رسوم مروجہ کو طبی نقطہ نگاہ سے مضر صحت ثابت کیا ہے۔ ضمیمہ میں زن و مرد کے اعتدائے مخصوص کی تشریح اور خاص ڈاکٹری ہدایات ہیں۔

حضرت علامہ اشدر تحیری جنکی تصانیف صبح زندگی و شام زندگی وغیرہ کی نیامیں مہم ہو۔ اس کتاب کی نسبت تو ہمیں یہ کتاب مفید ہو نیکی علاوہ نہایت دلچسپ ہے جس شخص کی عمر کا بڑا حصہ مریضوں کی ٹائے اور زخمیوں کی چیر بھار میں گزرا ہو اُسکی قلم سے کتاب النکاح جیسی قابل قدر کتاب کا شائع ہونا بے تحسین انگیز ہے۔ ضخامت ہر دو حصے تقریباً ۳۵۰ صفحہ تقطیع ۲۰ × ۲۶ لکھائی چہانی اور کاغذ نہایت عمدہ۔

قیمت علاوہ محصول ڈاک حصہ اول حصہ دوم ہر دو حصے یکجا ضمیمہ ۴۰ صفحہ کا علیحدہ

ڈاکٹر محمد اسماعیل پہانک میر ہاشم دہلی

